امیر المؤمنین فی الحدیث شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق قدس سرہٗ کی

حیاتِ طیبہ پر ایک نظر

مولانا عبدالقیوم حقانی اُستاذ دارالعلوم حقانیہ

ولادت اور خاندان:- حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق سنہ ۱۹۱۲ء یا ۱۹۱۴ء میں اکوڑہ خٹک میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام مولانا معروف گلؒ دادا کا نام الحاج میر آفتاب پردادا کا نام عبدالحمید ہے۔ والد ماجد کی طرح آپ کے دادا جناب میر آفتاب نے بھی بڑھاپے میں دو مرتبہ حج کی سعادت حاصل کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ارضِ حجاز میں شورشیں برپا تھیں اور حرمین شریفین کے درمیان اونٹوں پر سفر کرنے والے حاجی بدوی قبائل کی غنڈہ گردی کا شکار ہوا کرتے تھے۔ غالب خیال یہ ہے کہ ان کے آباؤ اجداد سلطان محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان پر جہاد کی غرض سے حملہ آور ہونے والے ان مجاہد افواج میں شامل تھے۔ جو بعد میں یہیں مقیم ہو گئے۔

والدین:- والد ماجد مولانا معروف گل کا ذریعہ معاش اپنے والد ماجد اور دادا کی طرح زراعت تھا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اچھی خاصی تجارت بھی کرتے تھے اور اپنے قصبہ کے خوش حال اور متمول افراد میں سے سمجھے جاتے تھے۔ ہیبت و دبدبہ اور تواضع و ہمدردی کے عجیب اوصاف کے حامل بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں دینی غیرت و حمیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ملی اور قومی امور اور اجتماعی کاموں میں بھرپور حصہ لیتے۔ منکرات اور غیر شرعی امور اور بدعات کے مٹانے میں اپنے وقت کے علماء مخلصین کا بھرپور ساتھ دیتے جہادِ آزادی میں اپنے دور کے عظیم مجاہد حاجی صاحب ترنگ زئیؒ اور ان کے تحریکِ جہاد میں ممد و معاون رہے۔ حاجی صاحب مرحوم یا ان کی جماعت مجاہدین کے افراد اکوڑہ خٹک آتے تو ان کے ہاں ٹھہرتے[1]۔ اور درپردہ بھی ان کی سرگرمیوں میں مالی و جانی طور پر شریک رہتے۔

مولانا عبدالنور سخروی (تلمیذِ مولانا رشید احمد گنگوہی و شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدس سرہٗ) کے تعاون سے اکوڑہ خٹک میں مروجہ بدعات کے خلاف جدوجہد میں پیش پیش تھے۔

عنایت اللہ مشرقی اور اس کی تحریک خاکسار کا فتنہ اٹھا تو علماءِ حق اور مسلمانوں میں شدید اضطراب پھیل گیا۔ اس فتنہ کے خلاف عملی قدم سب سے پہلے اکوڑہ خٹک ہی سے اٹھایا گیا۔ جس نے آگے چل کر تحریک کی کمر توڑ دی۔ اس موقعہ پر بھی حاجی معروف گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے روایتی جوش و جذبہ اور تصلب و حمیت کا مظاہرہ کیا۔

ان کی دلآویز شخصیت اور دینی درد کا ثمرہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ جیسے فرزند کی شکل میں دے دیا۔ وہ بڑی جاں کاہی، محنت اور لگن سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت فرماتے رہے۔ تاآنکہ ان کا لگایا ہوا یہ پودا علم و عمل، رشد و ہدایت کا شجرۂ طوبیٰ بن کر ان کے سامنے بار آور ہوا۔ تقسیم ملک کے بعد جب کہ دارالعلوم حقانیہ قائم ہو چکا تھا۔ ان کا انتقال ہوا۔

یہی حال حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ کا تھا۔ جن کی گود میں اللہ تعالیٰ نے حضرت کو پروان چڑھایا۔ وہ زہد و تقویٰ، اخلاق و ایثار، سادگی اور للہیت کا پیکر تھیں کہ اس دور میں بہت کم مثالیں مل سکتی ہیں۔ استاذی المحترم مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ، نے اپنی اس دادی مرحومہ کی وفات پر جو تعزیتی اداریہ قلمبند کیا تھا۔ اس سے بعض اوصاف و کمالات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے[2]۔

ابتدائی تعلیم و تربیت:- گھر کی ایسی پاکیزہ فضا، والدین کے صلاح و تقویٰ اور دین سے شغف کے اسی ماحول میں آپ نے آنکھیں کھولیں اور بچپن ہی سے دل میں تحصیلِ علمِ دین کی ضرورت اور اہل اللہ سے محبت و تعلق کے احساسات جاگزیں ہوئے۔ آپ نے ابتدائی مکتبی تعلیم گھر میں والدین سے اور اکوڑہ خٹک کے ایک عارف باللہ بزرگ معروف بہ حاجی صاحب قصابان (المتوفی ۹ رمضان ۵۰ھ مسجد

---

[1] ایسے ہی ایک موقعہ پر کہ حضرت حاجی صاحب مرحوم تشریف لائے تھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کو ان کے والد ماجد نے ان کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے گود میں لیا۔ سر پر دست شفقت پھیرا اور عنایت و توجہ کا ایک مشفقانہ رشتہ قائم فرمایا۔ [2] استاذی المحترم مولانا سمیع الحق مدظلہ نے الحق دسمبر ۷۴ء میں جو تعزیتی اداریہ لکھا اس باب میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی اولین تربیت گاہ کے عنوان سے وہ مکمل مضمون شریک ہذا ہے قارئین اس کا مطالعہ کر کے حظ و اثر حاصل کریں۔

قصابان اکوڑہ خٹک) اور ممتاز بزرگ مولانا عبدالقادر صاحب اور بعض دیگر بعض صالح بزرگوں سے حاصل کی۔

باقاعدہ طور پر تعلیم کے لئے آٹھ سال کی عمر میں قصبہ اکھوڑی ضلع اٹک کا پہلا سفر اختیار کیا اور ابتدائے تعلیم ہی سے آپ نے خلوص، دل سوزی اور نہایت جانکاہی کے ساتھ اپنی پوری توجہات تعلیم پر مرکوز کردیں۔ کچھ دن پشاور کے مضافات کے موضع ملوگی میں ایک خدا رسیدہ بزرگ کی تربیت میں بھی رہے۔ جو کوہستان باباجی کے نام سے معروف تھے۔ اس کے علاوہ سرحد و پنجاب کے مختلف مقامات پشاور، امازو گڑھی، گجر گڑھی، طورو۔ مردان اور علاقہ چھچھ میں جلالیا وغیرہ کے جید علماء کرام سے درس نظامی کے ابتدائی درجات کی کتابیں پڑھتے رہے۔ وہاں سے ہندوستان گئے اور امروہہ، میرٹھ، گلاوٹی اور کلکتہ وغیرہ جاکر مشاہیر اہل علم سے استفادہ کیا۔ اور مختلف علوم وفنون کی متوسط کتابیں پڑھیں تا آنکہ ۲۱ شوال ۱۳۴۷ھ کو آپ ایشیا کی عظیم اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند پہنچے اور باقاعدہ داخلہ لیا۔ درس نظامی کے باقی ماندہ علوم وفنون، منطق وفلسفہ، فقہ، حدیث، تفسیر، اور علوم عصریہ کی تکمیل کی۔ ۱۳۵۲ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ یہاں جن مشائخ اور اکابر اساتذہ سے آپ نے استفادہ کیا ان میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی سرفہرست ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا اعزاز علی دیوبندی، علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، مولانا رسول خاں ہزاروی، مولانا اصغر حسین دیوبندی، مولانا مرتضیٰ حسن صاحب مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندی اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم سے آپ کو تلمذ کا شرف حاصل ہے۔

درس وافادہ:۔ دارالعلوم دیوبند سے تحصیل علوم سے فراغت کے بعد اپنے آبائی گاؤں اکوڑہ خٹک تشریف لائے۔ گھر کے ساتھ متصل اپنی مسجد (قدیم دارالعلوم حقانیہ) میں قدیم طرز کے مطابق درس نظامی کے مختلف علوم وفنون کی چھوٹی بڑی اور اہم کتابوں کا درس دینا شروع کیا۔ صبح وشام تک تدریس میں مشغول رہتے۔ قرب وجوار بلکہ دور دراز کے طلبہ آپ کے حلقہ درس کی طرف ٹوٹ پڑے۔ یہ حلقہ درس اتنا وسیع ہوا کہ ان کے والد مرحوم نے اپنے اخراجات سے ایک اور جید عالم کو بھی بطور معاون مدرس رکھ لیا۔

ان ہی دنوں آپ نے انجمن تعلیم القرآن کے نام سے ایک اسلامی سکول کی بنیاد رکھی۔ ابھی سکول کی ابتدا ہی تھی کہ شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنیؒ آپ کی دعوت پر اکوڑہ خٹک تشریف لائے تو ادارہ کے قیام پر مسرت کا اظہار فرمایا اور اس کی کامیابی کی دعائیں کیں اور ادارہ میں ایک تقریب سے خطاب بھی فرمایا۔ یہ سکول آگے چل کر علاقہ میں تعلیم وتربیت اور ہر لحاظ سے ایک معیاری اور منفرد ادارہ قرار پایا۔ جس کے نتائج سارے علاقے میں بڑے دور رس ثابت ہوئے۔

مادر علمی دیوبند سے بلاوا:۔ ادھر اکوڑہ خٹک میں آپ کے درس میں طالبان علوم نبوت کا حلقہ وسیع ہوتا گیا اسکے علاوہ علاقائی اور ملکی خدمات بھی جاری تھیں کہ دارالعلوم دیوبند کے اکابر اساتذہ نے آپ کو دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دینے کی پیش کش کردی اور اس پر اصرار فرمایا[۱]

آپ نے یہ دعوت قبول کرلی اور دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات میں مشغول ہوگئے، دیوبند میں آپ کی تقرری کی تاریخ شوال ۱۳۶۲ھ ہے آپ کی وہاں تدریس پر ابھی ڈھائی ماہ کا عرصہ نہیں گزرا تھا کہ طلبہ میں شہرت اور مقبولیت کے پیش نظر یکم محرم الحرام ۱۳۶۳ھ ہی سے آپ کو مستقل کردیا گیا جیسا کہ قاری محمد طیبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند ۱۷/۹/۶۲ کے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"الحمدللہ کہ آپ کے بے ریا خلوص، جذبۂ خدمت اور سمع وطاعت کا اعتراف میرے صحیفہ قلب پر ثبت ہے۔ آپ کی ذات میرے لئے ایک نمونہ ہے۔ اگر ہم سب دارالعلوم کے دائرہ میں ایسا ہی نمونہ پیش کریں تو ہماری ترقی کا دائرہ بہت وسیع ہوجائے"

ایک دوسرے مکتوب میں آپ کے نام لکھتے ہیں۔

گذشتہ چند ماہ کے عرصہ میں جناب نے جس محنت اور تعلیمی سلسلہ میں حسن کارکردگی کا ثبوت دیا ہے۔ خدام دارالعلوم اس کی قدر کرتے ہیں اور آئندہ کے لئے جناب سے اچھی توقع رکھتے ہیں، ایسی حالت میں بے انصافی ہوگی کہ ایسے حضرات کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے، چنانچہ جناب کی قابلیت اور شہرت ومقبولیت کے پیش نظر یکم محرم الحرام سے جناب کو مستقل کیا جاتا ہے"

چونکہ اللہ رب العزت نے فطری طور پر آپ کو اعلیٰ صلاحیتوں اور قوی علمی استعداد سے نوازا تھا، اس لئے بہت جلد دارالعلوم دیوبند میں درس نظامی کی اعلیٰ کتابیں پڑھانے لگے اور آپ کا شمار طبقۂ علیا کے اساتذہ میں ہونے لگا۔ آپ کا حلقۂ افادہ تدریس وسیع ہوتا چلا گیا۔ صرف دارالعلوم دیوبند میں آپ سے تعلیم حاصل کرنے والے تلامذہ کی تعداد تین ہزار کے قریب ہے جو اس وقت برصغیر اور افغانستان کے علاوہ ملائشیا، برما، رنگون، ایران اور مشرق بعید کے اکثر ممالک روسی چینی مقبوضہ علاقوں تک اسلامی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۱۔ اس سلسلہ کے خطوط اور حضرت شیخ مدظلہ، کو دیوبند تشریف پر اصرار آپ کے اساتذہ مولانا مبارک علی صاحب نائب مہتمم اور مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندی کے مکتوبات ماہنامہ الحق۔ جون وجولائی ۱۹۷۰ء میں شائع ہوچکے ہیں۔

دارالعلوم حقانیہ کا قیام:۔ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی تقسیم ہوئی، پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ ہولناک واقعات، غیر یقینی حالات، اور راستہ کے خطرات کے باوجود آپ کی بار بھی اکابر اساتذہ دیوبند آپ کو دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دینے کی دعوت دیتے رہے۔ محفوظ راستہ سے آنے اور حفاظتی انتظامات اور حکومتی سطح پر سفری معاملات کو نبھانے کی ذمہ داری حضرت شیخ مدنی نے اپنے ذمہ لے لی۔ مگر اضطراب و دہشت گردی اور بدامنی و مجموعی طور پر غیر یقینی حالات کی وجہ سے آپ کے والد بزرگوار آپ کے دیوبند جانے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اور اس کے پس منظر میں مشیتِ ایزدی کو یہ منظور تھا کہ بہت جلد یہاں بھی دیوبند کے سرچشمہ فیض کی ایک نہر دارالعلوم حقانیہ کی صورت میں جاری رہے۔ چنانچہ آپ نے نہایت بے سرو سامانی کی حالت میں محض توکلاً علی اللہ ستمبر ۱۹۴۷ء ۔ ۱۳۶۶ھ کو اپنے گھر کے ساتھ والی مسجد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ دیوبند میں پڑھنے والے تلامذہ سفری رکاوٹوں کی وجہ سے ان کے گرد جمع ہو گئے اور اس غیر رسمی درس گاہ کا نام از خود لوگوں کی زبان پر دارالعلوم حقانیہ کی شکل میں شہرت پانے لگا اور خدا کی شان کہ بہت جلد پردہ غیب سے بغیر اسباب اور وسائل اور بغیر کسی ارادہ و منصوبہ بندی کے یہ دینی ادارہ ظہور پذیر ہو گیا۔

دارالعلوم کی ابتدا بظاہر اگرچہ ایک چھوٹی سی اور تنگ مسجد سے ہو رہی تھی، مگر قدرت کو منظور تھا کہ اسے ایک بڑے اور عالمی دارالعلوم اور علوم و معارف کے ایک بحرِ ناپیدا کنار کا سرچشمہ بننا ہے۔

ابتدا ہی سے آپ نے بغیر کسی اشتہار، شہرت اور پروپیگنڈے کے نہایت خاموشی سے اشاعتِ دین اور درس و تبلیغ اور دارالعلوم حقانیہ کی بقاء، استحکام اور ترقی کا کام جاری رکھا۔

دارالعلوم دیوبند میں اکابر اساتذہ کی سرپرستی و نگرانی میں آپ کی تعلیمی و تدریسی زندگی بہت سے تجربات اور ایک تعلیمی و انتظامی مطالعہ میں گزر چکی تھی۔ اسی کی روشنی میں دارالعلوم حقانیہ میں تعلیم و تربیت کے جس خاص نظام کو آپ رائج کرنا چاہتے تھے۔ بحمد اللہ کمالِ اخلاص، بلند ہمتی، جہد مسلسل، صبر و استقامت اور مخلص رفقاء کے روحانی و مادی تعاون سے بہت جلد آپ اس میں کامیاب ہو گئے اور دارالعلوم حقانیہ اپنی نو عمری اور ابتداء ہی سے تعلیم و تربیت کی خوبی، نظم و نسق کی عمدگی اور تبلیغی و تعلیمی اور دینی خدمات کے لحاظ سے ملک کے دوسرے مدارس میں ایک ممتاز مقام حاصل کر گیا، اکابر علماء دیوبند، بالخصوص حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اسے دیوبند ثانی اور پاکستان کا دارالعلوم دیوبند قرار دیا۔

جامعۃ الازہر کے وائس چانسلر شیخ محمد طیب النجار ۱۲؍ فروری ۱۹۸۲ء کو جب دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے تو اپنی تقریر میں دارالعلوم حقانیہ کو اس کے تعلیمی اور روحانی ماحول، نظامِ تعلیم و تربیت اور جہادِ افغانستان میں زبردست کردار کے پیش نظر اسے "الازہر القدیم" قرار دیا۔

آج جہاں دارالعلوم حقانیہ قائم ہے، ڈیڑھ سو سال قبل حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء نے اسی خطہ کو اپنی سرگرمیوں کی جولانگاہ بنایا تھا اور ان کا پہلا معرکہ بھی یہاں اکوڑہ خٹک سے ہوا تھا خود حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:۔

"مجھے اگرچہ تاریخی اعتبار سے تو متحقق نہیں مگر آثار و قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم حقانیہ اسی جگہ قائم ہے۔ جہاں شہدائے بالاکوٹ کی سب سے پہلی تلوار چلی تھی۔ یہاں ان کے رفقاء شہید ہوئے تھے۔ دراصل اس بے آب و گیاہ، پسماندہ اور پہاڑی علاقہ میں کھنڈرات اور پتھروں سے دارالعلوم حقانیہ کی صورت میں علوم و معارف کے جو چشمے آپ کو پھوٹتے نظر آ رہے ہیں۔ کیا عجب کہ اس میں سیدین الشہیدین اور ان کے سرفروش رفقا اور جاں نثار اور تحریکِ احیائے دین کے شہیدوں کا خون رنگ لایا ہو۔ اور یقین ہے کہ اکوڑہ خٹک میں علوم و معارف کی یہ بہاریں ان ہی کے انفاسِ قدسیہ کے برکات ہیں"

ہمہ گیر فیض:۔ دارالعلوم حقانیہ نے یومِ تاسیس سے لے کر آج تک جتنے علماء و فضلاء پیدا کئے ہیں وہی سب سے بڑا سرمایہ فخر و مباہات اور حضرت شیخ الحدیث کے لئے آخرت کی پونجی ہیں جو اس وقت ملک و بیرونِ ملک دینی، تعلیمی اور تبلیغی خدمات انجام دے رہے ہیں اور اپنے اعلیٰ صفات، بہترین تربیت اور مثالی کردار سے ایک عالم کو مستفید کر رہے ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے لاکھوں انسان دیندار ہوئے، فاسق و فاجر متقی اور پرہیزگار بن گئے سینکڑوں کے عقائد و اعمال اور اخلاق کی اصلاح ہوئی اور اب تو پاکستان اور افغانستان کا کوئی علاقہ ایسا نہیں جہاں دارالعلوم حقانیہ سے فیض یافتہ فضلاء کوئی مدرسہ نہ چلا رہے ہوں یا اس میں تدریس نہ کر رہے ہوں، بلکہ اس وقت ملک و بیرون ملک دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء نے جو مدارس اور چھوٹے بڑے مکاتب قائم کئے ہیں۔ ان کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہو گئی ہے۔ اور یہ سب ادارے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی مشفقانہ توجہات، دعا اور سرپرستی میں چل رہے ہیں۔

دارالعلوم حقانیہ نے اپنی زندگی کے اس مختصر ترین عرصہ میں خدا کی زمین پر علم و ہدایت کا ایک نور پھیلا دیا ہے اور شاید ملک میں کوئی ایک بھی ایسی جگہ نہ ہو جہاں یہ روشنی نہ پہنچی ہو۔ یہ کوئی نئی روشنی نہیں ہے بلکہ کتاب و سنت، فقہ حنفیہ، اطاعتِ رسول اور صحابہ

کے عشق و محبت کی یہ روشنی ہے۔

تلامذہ:- دارالعلوم دیوبند کے زمانہ تدریس میں آپ کے تلامذہ کی تعداد ساڑھے تین ہزار کے لگ بھگ ہے اور دارالعلوم حقانیہ کے یوم تاسیس سے لے کر آج تک آپ سے صرف دورۂ حدیث پڑھنے والے تلامذہ اور فضلاء کی تعداد تین ہزار سے زائد ہوگئی ہے گویا دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم حقانیہ میں آپ سے استفادہ اور اشرف تلمذ حاصل کرنے والے طلبہ کی مجموعی تعداد چھ ہزار سے زائد ہے۔

آزمائشوں میں سرخروئی:- دارالعلوم حقانیہ کے قیام کے بعد ابتدائی دور میں اس راہ میں مصائب و آلام اور تکالیف و مشقتیں اٹھانا پڑیں جنہیں آپ خدا کے فضل و کرم سے استقامت اور خندہ جبینی سے سہتے رہے، علاقہ کی پس ماندگی، حاسدین کی مخالفتیں، وسائل کی قلت، حصولِ کتب، طلبہ کے قیام و طعام کا انتظام، مدرسین کی تنخواہیں، مخلص رفقاء کی تلاش اور اس نوع کے افکار جن کے پگھلا دینے والے بوجھ سے آپ کو گزرنا پڑا۔ اس کے لئے تو ایک مفصل سوانح اور وسیع دفتر درکار ہے۔ ابتلاء و آزمائش کی کئی صورتیں سامنے آتی رہیں، مگر توفیقِ الٰہی سے آپ راسخ العزم اور ثابت قدم رہے۔ مثلاً ایک واقعہ جو بظاہر ایک معمولی سی بات ہے مگر عالمِ اسباب میں اس کے بڑے دوررس نتائج نکلے ہیں اور ایسے واقعات بہت سی ترقیات و فتوحات انسان کو مستحق بنا دیتے ہیں۔ حضرت العلامہ شمس الحق صاحب افغانیؒ ۱۹۴۸ء میں ریاستہائے متحدہ بلوچستان کے وزیر معارف تھے۔ یہ دارالعلوم حقانیہ کی زندگی کا دوسرا سال تھا۔ نئے مدرسہ کے استحکام کے سلسلہ میں جو مشکلات اور اس کی بقاء و ترقی میں جن مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ ان مراحل میں سے گزر رہے تھے کہ اسی سال حضرت افغانیؒ نے متحدہ ریاستہائے بلوچستان کے مرکزی عہدہ اور قاضی القضاۃ کے منصب کی حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کو پیش کش کر دی۔ اور اس کے قبول کرنے پر اصرار و تکرار کے ساتھ ساتھ زوردار ترغیبی خطوط بھی لکھے[1]

حضرت افغانیؒ کی بزرگانہ و مخدومانہ حیثیت، پرخلوص اصرار، ترقی کے امکانات، کشائشِ رزق اور اس کے کے جملہ حقائق جو اس پیشکش کو قبول کرنے کی ترغیب دیتے تھے اور واقعتاً ایک بڑی آزمائش بن سکتے تھے۔ اگر اثبات میں فیصلہ کر دیتے تو آج زندگی کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا لیکن توفیق الٰہی نے دستگیری فرمائی۔ آپ کو قاضی یا وزیر کی بجائے شیخ الحدیث کے لقب سے مقبول و معروف ہونا تھا، چونکہ اللہ نے آپ سے حدیث کی خدمت، طلباء علوم دینیہ کی تربیت اور ایک بڑے اور عظیم ادارہ دارالعلوم حقانیہ کی تاسیس و تکمیل، اور عظیم امور خیر احیاءِ سنت، اشاعتِ علوم دینیہ اور جہادِ افغانستان کی سرپرستی اور کام لینا تھا۔ اس لئے اس معاملہ میں صحیح فیصلہ کی توفیق عطا فرمائی۔ آپ نے حضرت افغانیؒ کو جواب میں تحریر فرمایا: آپ کی یہ عظیم پیش کش مجھ پر بہت بڑی شفقت ہے اور یہ حقیقت ہے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ یہ محض آپ کا حسن ظن ہے، مگر میرا طبعی رجحان یہ ہے کہ میں اپنی طالب علم برادری کے ساتھ سادہ زندگی بسر کروں اور چٹائیوں پر بیٹھ کر درس و تدریس کے سلسلہ میں مشغول رہوں اور یہ میرے نزدیک باقتضائے طبیعت، قضا بلکہ وزارت اور صدارت سے ہزاروں درجے بہتر ہے۔"

سفرِ حج:- ۱۹۵۲ء میں بذریعہ ہوائی جہاز حج و زیارات کے سفر پر حجاز تشریف لے گئے۔[2]

شیخ الحدیث کا لقب:- حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے دارالعلوم دیوبند کی طرح یہاں بھی یوم تاسیس سے لے کر آج تک مختلف فنون کی اعلیٰ کتابوں کے علاوہ کتب صحاح ستہ اور خاص کر صحیح بخاری اور جامع ترمذی کے درس دیتے رہے۔

شب و روز کے اشتغال بالحدیث، خدمت حدیث میں انہماک اور علمِ حدیث سے کمال مناسبت اور ۵۰ سال سے تدریسِ حدیث کی وجہ سے لفظ شیخ الحدیث آپ کا علَم ہوگیا اور آپ نام کے بجائے اسی لقب سے مشہور ہوگئے۔

دارالعلوم دیوبند کے ماحول میں جب لفظ "مولانا" مطلق ذکر کیا جاتا شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ مراد

---

[1] مولانا افغانیؒ اور دیگر اکابر کے ان تمام ادوار کے مکتوبات مولانا سمیع الحق کے مرتب کردہ ریکارڈ میں موجود ہیں۔ مولانا افغانی مرحوم کے یہ خطوط ان سے متعلق فائل ع۱ میں محفوظ ہیں۔ (مرتب)

[2] مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے اپنی خاندانی یادداشتوں کی ڈائری ص۵۲ پر اپنے ماموں مولانا عبدالحنان صاحب فاضل دیوبند (جہانگیرہ) سے روایت نقل کی ہے کہ مولانا عبدالحنان صاحب نے فرمایا کہ جس سال حضرت شیخ الحدیث مدظلہ حج پر تشریف لے گئے تھے۔ مجھے بھی اسی سال حج کی سعادت حاصل ہوئی۔ سفر حج میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی معیت کا شرف حاصل ہوا۔ فرمایا! مکہ معظمہ میں حضرت شیخ الحدیث کا ہمارے ہاں قیام ہوتا تھا تو ان دنوں آپ کے ہاں بنگلہ دیش، برما، رنگون اور افغانستان تک کے دیوبند کے زمانہ تدریس کے تلامذہ کا اتنا ہجوم رہتا تھا کہ ہمیں بھی بمشکل کھڑے رہنے کی جگہ میسر آتی تھی۔

ہوتے۔ آپ کو شیخ مدنیؒ سے خصوصی تعلق خاطر اور مخلصانہ نیاز کے صدقے اللہ تعالیٰ نے بطور وراثت اپنے شیخ و مربی جیسا خصوصی امتیاز دارالعلوم حقانیہ میں دے دیا ہے جو شیخ مدنیؒ کو دارالعلوم دیوبند میں حاصل تھا۔ دارالعلوم حقانیہ اور اطراف میں جب لفظِ مولانا مطلق ذکر ہو تو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ مراد ہوتے ہیں۔

وعظ و خطابت :۔ ان تمام تدریسی و تعلیمی خدمات کے علاوہ ابھی دو چار سال قبل تک اصلاح و ارشاد کے لئے آپ شبانہ روز اسفار اور دینی اجتماعات میں وعظ و تقریر کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ دن کو تدریس میں منہمک رہتے اور رات کو کہیں نہ کہیں دینی دعوتی اجتماع میں شرکت کر کے گھنٹوں وعظ فرماتے۔ اکوڑہ خٹک میں تو مستقلاً ساری زندگی امامت بھی خود فرماتے اور جمعہ کا خطبہ بھی دیتے۔ چالیس پچاس سال کے ان خطبات میں سے چند ہی دعوات حق کے ضخیم جلدوں میں ہمارے سامنے ہیں۔ اگر یہ خطبات قلم بند کئے جاتے تو یقیناً پچاس ساٹھ جلدیں مرتب ہو سکتیں۔ ان ساری محنتوں کے ساتھ گاؤں بلکہ علاقہ بھر کے جنازوں میں لوگوں سے تعلق خاطر کی وجہ سے شریک ہوتے اور تدفین میت کے بعد حاضرین سے نہایت موثر خطاب فرماتے۔ اسی طرح عیدگاہ میں جہاں سارا شہر اور علاقے کے لوگ اکٹھے ہو کر عیدین پڑھتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث پچھلے پچاس ساٹھ سال سے بالالتزام عیدین سے قبل نہایت مفصل خطاب فرماتے۔

بیعت و ارشاد :۔ حضرت حاجی صاحب ترنگ زئیؒ کی وفات کے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے بیعت ہوئے اور سلوک و تصوف اور ارشاد کے مراحل طے کیے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کو اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی سے یہ نمایاں خصوصیت دی تھی کہ خاصان خدا اور اولیاء اللہ آپ سے محبت کرتے ہیں۔ آپ بھی اہلِ اللہ کو دل سے چاہتے اور ان کا احترام کرتے ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ، مولانا محمد یوسف دہلوی، امیر التبلیغ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ، مولانا عبدالغفور مدنیؒ، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ، اور دیگر اکابر کو آپ سے خصوصی تعلق خاطر تھا۔ ان میں سے اکثر اکابر بار ہا دارالعلوم حقانیہ قدم رنجہ فرماتے۔ کئی روز یہاں قیام ہوتا۔ دارالعلوم کے اساتذہ اور طلباء پابندی سے ان کی مجالس میں شریک ہوتے۔ ان کی آمد سے دارالعلوم میں فیوض و برکات، علوم و معارف، ذکر اللہ اور انابت الی اللہ کا عجیب سماں قائم ہوتا تھا۔

ان بزرگوں میں سے ایک بزرگ جناب فقیر صاحب کے نام سے معروف تھے جو ایک بڑے عارف اور ولی کامل تھے۔ ان کو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے بے حد محبت تھی اور آپ کی اعلیٰ استعداد کے پیش نظر انہوں نے آپ کو مجازِ بیعت بنایا۔ حضرت مولانا اصغر حسین صاحب دیوبندی کو بھی آپ پر خصوصی شفقت تھی اور اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اسی طرح مشہور شیخ طریقت خواجہ عبدالمالک صدیقی کا بھی بار ہا دارالعلوم آنا جانا رہتا اور ازراہِ محبت از خود حضرت شیخ مدظلہ کو خلافت عطا فرمائی۔

دینی و ملی سیاسی اور سماجی خدمات :۔ آپ کی ساری زندگی دین اور علم کی اشاعت اور دینی و ملی خدمات میں گزری۔ ملک و ملت کو درپیش ہر اہم موڑ پر آپ نے نمایاں حصہ لیا۔ جنگ آزادی سے لے کر جہاد افغانستان تک اور اصلاح رسوم سے لے کر فرقِ باطلہ کے تعاقب اور چھوٹی سی زندگی جہد و عمل کی ایک مسلسل داستان ہے۔ یہاں تفصیلات کے لئے نہ وقت ہے نہ گنجائش، اس لئے بطور نمونہ آپ کی زندگی کے اس گوشہ کے چند پہلو نذر قارئین ہیں۔

اصلاح رسومات و ردّ بدعات :۔ اکوڑہ خٹک اور گرد و نواح میں شادی بیاہ کے موقعہ پر بہت سی غیر شرعی رسومات، غلط رواجات اور بے جا اسراف کیا جاتا تھا۔ جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے بہت سی بدعات معاشرہ اور سوسائٹی کا جزو بن چکی تھیں۔ آپ نے رد بدعات اور رسومات کی اصلاح کے لئے ادارہ انجمن تعلیم القرآن مواعظ، تبلیغ و تعلیم اور قرب و جوار کی مساجد میں قیام مکاتب، علماء اور فضلاء کے درس قرآن وغیرہ کے اہتمام سے ایک زوردار تحریک چلائی۔ بدعات و رسومات کا علمی و اصلاحی مقابلہ کیا اور شریعت کے مطابق شادی بیاہ کی زوردار تحریک چلائی جو بہت کامیاب ثابت ہوئی۔ اس تحریک میں بعض ایام میں سو سو کے لگ بھگ شادیاں کسی رسم و رواج اور بے جا مصارف کے بغیر انجام پذیر ہوئیں اور لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔

رفتہ رفتہ علاقہ میں اصلاح معاشرہ و رد بدعات کی غرض سے علم کی روشنی میں پھیلائی ہوئی اس تحریک سے مروجہ غیر شرعی امور اور من گھڑت رواجات و رسوم اور بدعات کا قلع قمع ہو گیا۔ اسی طرح جنازہ پر بے جا مصارف اور بدعات کا دور دورہ تھا حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی حکمت عملی سے اکوڑہ میں اس کا سلسلہ بھی ختم ہوا۔

فتنہ خاکسار کا تعاقب :۔ آپ درس و تدریس کے علاوہ اشاعت دین اور علاقائی سطح پر غیر شرعی رسومات و رواجات کے

مٹانے میں ہمہ تن مشغول تھے - کہ عنایت اللہ مشرقی کا فتنہ اٹھا پھیلا اور عوام میں اس کی جڑیں مضبوط ہوگئیں - علماء کے خلاف اس کی زبان کھل چکی تھی اور خاکسار تحریک والے، علماء حق کی مخالفت اور ان کی تذلیل و تحقیر کو سب سے بڑا جہاد سمجھ بیٹھے تھے - "مولوی کا غلط مذہب"، نامی کتابچے دھڑا دھڑ تقسیم ہو رہے تھے - سرحد اور پھر خاص کر ضلع پشاور بھی اس فتنہ کا مرکز بن چکا تھا -

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، کی خاکساروں کے عقائد عنایت اللہ مشرقی کے دجل و تلبیس، ناپاک عزائم اور علماء حق کے خلاف ان کی ریشہ دوانیوں اور گھناؤنی سازش پر کڑی نظر تھی - اکوڑہ میں بھی اس تحریک کے اثرات جڑ پکڑ رہے تھے - کچھ سادہ لوح علماء بھی ان کی چال میں آ گئے تھے - ایسے نازک حالات میں مولانا غلام غوث ہزارویؒ کو بھی اس مسئلہ سے خاصی دلچسپی ہو گئی تھی اور وہ خاکساروں کے خلاف ایک ننگی تلوار بن چکے تھے اور اکوڑہ میں خاکساروں کے ساتھ ان کا مشہور مناظرہ ہوا - استاذی المحترم مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ، کی خاندانی یادداشتوں کی بیاض میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، کے اس سلسلہ میں مساعی کی تفصیلات محفوظ ہیں -

اجمالاً یہ کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی حکمت عملی، حکیمانہ تدبیر اور دعوت پر مولانا غلام غوث ہزاروی اکوڑہ خٹک تشریف لائے - حضرت شیخ الحدیث کی تحریک اور زبردست معاونت سے خاکساروں کے خلاف تقریریں ہوئیں اور ان سے مناظرے ہوئے - اوّلین مناظرہ اکوڑہ میں ہوا - حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، مناظرے کے حکم مانے گئے اور آپ کی حکمت عملی اور تدبر سے خاکساروں کو شکست فاش ہوئی -

بقول مولانا غلام غوث ہزاروی مرحوم، حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کے حکیمانہ اقدام اور تدبیر مخاصمت سے مشرقیوں کے خاکساروں کے پاؤں اکھڑے اور یہیں سے ان کا زوال شروع ہوا کہ پھر وہ کبھی نہ سنبھل سکے -

تحفظ ختم نبوت :- چوں کہ حضرت شیخ الحدیث کی وابستگی، تلمذ اور تعلق خاطر اہل حق کے اس طائفہ سے ہے، جن کو اللہ تعالٰے نے طبیعت حساس، فکر عاقبت اندیش اور مرزائیت کے بارہ میں دل بینا اور شرح صدر سے نوازا تھا - چنانچہ ان حضرات نے اسی صدی کے آغاز ہی سے مسلمانوں کو اس مار آستین سے بچنے کی تاکید اور نازک و پر خطر حالات میں اس کے خلاف علم جہاد لہرایا - اور انہیں للکارا - حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، نے بھی علمی و فکری، سیاسی و مذہبی اور معاشرتی خطرات سے ملتِ مسلمہ کو خبردار کیا، بلکہ غداران خاتم النبیین اور سارقین تاج و تختِ ختم نبوت کے محاسبہ اور تعاقب کو بھی بے پناہ مشاغل میں جگہ دی -

۱۹۵۶ء کے خطرناک، نازک اور سخت ترین حالات میں تحریک تحفظ ختم نبوت میں بھرپور حصہ لیا - تفصیلات مستقل سوانح میں ذکر کی جائیں گی ان شاء اللہ - ۱۹۷۴ء کی مشہور تحریک ختم نبوت کی مجلس عمل تحفظِ ختم نبوت کے نائب صدر رہے - مجلس عمل کی تشکیل کے لئے شیرانوالا گیٹ لاہور میں جو کل جماعتی اجلاس ہوا اس میں مجلس عمل کی صدارت کے لئے آپ ہی نے علامہ محمد یوسف بنوری کا نام پیش کیا جسے کچھ تو مولانا بنوری کی شخصیت اور کچھ مجوز کی بزرگی و ثقاہت کے پیش نظر تمام مکتب خیال کے لوگوں نے متفقہ طور پر منظور کر لیا - اور جب تحریک شروع ہوئی تو آپ نے اس میں بھرپور حصہ لیا اور اس کو کامیاب بنانے میں ہر ممکن سعی کی اور کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا - تحریک کے دوران شاہی مسجد لاہور کے کل جماعتی تاریخی اجلاس میں بھی شریک ہوئے اور خطاب فرمایا - پھر ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی میں قادیانیت کی سرکوبی میں بھرپور حصہ لیا - قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر احمد اور لاہوری جماعت کے سربراہ مرزا صدر الدین پر بحیثیت رکن اسمبلی موثر جرحیں داخل کیں - اس دوران ہنگامی طور پر اسمبلی میں قادیانیت کے بارے میں ملت اسلامیہ کا ایک ٹھوس اور واضح مدلل موقف پیش کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی - ایک جامع اور مستند اور مدلل انداز میں مرزائی عقائد و نظریات، مرزائیت کی تاریخ، پس منظر، محرکات و عزائم اور ملتِ اسلامیہ کے خلاف اس جماعت کی گھناؤنی سازشوں اور اسلام دشمنی کے منظم و مربوط ہمہ گیر منصوبوں کا ایک تحقیقی جائزہ لینے اور اس کو کتابی شکل میں مرتب کرنے کے لئے مجلس عمل کی مرکزی قیادت نے جن دو شخصیتوں کا انتخاب کیا - ان میں ایک حضرت مولانا شیخ الحدیث مدظلہ، کے صاحبزادے مولینا سمیع الحق صاحب اور دوسرے حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی تھے - جنہوں نے اکابر مجلس ختم نبوت کی مدد سے مختصر ترین وقت میں صدہا قادیانی و غیر قادیانی ماخذ کو کھنگالا اور ملتِ اسلامیہ کا موقف کے نام سے کتاب پیش کی - جسے قائدِ جمعیت علماء اسلام مولانا مفتی محمود مرحوم نے قومی اسمبلی کی کئی نشستوں میں پڑھ کر سنایا - جس سے ایوان کے تمام سرکاری ارکان ارکان کی رائے بھی قادیانیت کے بارے میں یکسر بدل گئی (کتاب اب مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ سے شائع ہو کر پہلی دفعہ منظر عام پر آ گئی ہے -

صدر جنرل ضیاء الحق صاحب کے دورِ حکومت میں جب آئین کی تنسیخ کے ضمن میں قادیانیت سے متعلق آئینی ترمیم کے بارہ میں خدشات اٹھے اور دینی طبقوں میں شدید بے چینی پھیل گئی تو آپ کے صاحبزادہ مولانا سمیع الحق صاحب نے بھی اس وقت بحیثیت رکن مجلسِ شوریٰ صدر مملکت کو بار بار توجہ دلائی اور وفاقی مجلسِ شوریٰ میں تحریک التوا پیش

کی جس کے نتیجہ میں ۱۲ اپریل ۱۹۸۲ء کو دستور میں ترمیم (استقرار) کا صدارتی فرمان ۸ مجریہ ۱۹۸۲ جاری ہوا اور تشریحات کے ساتھ اس وقت کے قائم مقام وزیر قانون و اطلاعات نے پڑھ کر سنایا اور پورے ایوان نے اس پر صاد کیا اور اس طرح ایک بار پھر پارلیمنٹ نے قادیانی دجل و تلبیس پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ یہ مساعی درحقیقت حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، ہی کی تربیت توجہات و ہدایات کا نتیجہ تھیں اور ان کے نامہ اعمال میں ثبت ہوں گی۔

سفر مشرقی پاکستان:۔ ۲۲ فروری ۱۹۶۸ء کو تعلیم القرآن سوسائٹی ڈھاکہ (جو کہ ایک قومی ادارہ تھا) کی دعوت اور حاجی بشیرالدین بوگرہ کی خواہش اور شدید اصرار پر بنگلہ دیش (سابق مشرقی پاکستان) تشریف لے گئے۔ اہم اضلاع کا دورہ کیا۔ تعلیمی اداروں، مختلف انجمنوں، دینی مدارس چھوٹے بڑے مختلف تقریبات اور بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب فرمایا۔ ۲۷ فروری کو کئی مختلف اضلاع کے دورہ کے بعد جب سلہٹ کو روانگی ہوئی تو ہوائی اڈہ پر سینکڑوں علماء بالخصوص شیخ مدنی رح کے مجازین و متعلقین اور معززین کا ایک جم غفیر استقبال کے لئے موجود تھا۔ وہاں کے جلسوں اور اہم اجتماعات سے خطاب کیا اور اسی مقام پر حد درجہ اشتیاق اور والہانہ انداز سے حاضری دی۔ جہاں حضرت شیخ مدنی رح اپنے قیام سلہٹ کے زمانہ میں ٹھہرا کرتے تھے۔ اسی حجرہ میں بوجہ اس کے شیخ مدنی کے قیام گاہ ہونے کے عظمت و احترام اور ادب کے پیش نظر کافی دیر تک دو زانو ہو کر مراقبہ فرمایا۔ رقت طاری تھی اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اس سفر میں مخدوم زادہ مولانا سمیع الحق بھی آپ کے ساتھ رہے اور سفر کی روئیداد محفوظ کرتے رہے۔ اپنی یادداشتوں کی ڈائری صفحہ نمبر ۵۸ میں تحریر فرماتے ہیں۔

مشرقی پاکستان میں وقت انتہائی مصروف اور دینی مشاغل میں گزرا۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ جہاں جاتے۔ بے شمار علماء اور معززین استقبال کرتے اور زمانہ دیوبند کے سینکڑوں تلامذہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کو ایک ایک نظر دیکھنے کے لئے بے تاب تھے۔ اور واقعہ بھی یہ ہے کہ بنگلہ دیش (سابق مشرقی پاکستان) میں آپ کے لائق تلامذہ جو دیوبند میں آپ سے کسب فیض کا شرف حاصل کر چکے تھے۔ بہت بڑی تعداد میں دینی مدارس میں تدریس و تصنیف، تبلیغ و ارشاد اور مختلف صورتوں میں علمی و دینی مدارس میں انجام دے رہے ہیں۔

فروری ۶۹ء میں جمہوری مجلس عمل کے تشکیل کے موقعہ پر بنگلہ دیش کی جمیعت کی دعوت پر آپ دوبارہ تشریف لے گئے۔ اس موقعہ پر مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا مفتی محمود صاحب مولانا عبداللہ درخواستی جیسے اکابر بھی شریک سفر تھے۔ ہر دو اسفار کی مفصل روئیداد مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے اپنی سفری یادداشتوں میں محفوظ کر لی ہے۔

سیاسی خدمات:۔ آپ کی پیدائش ایسے علاقے اور ماحول میں ہوئی جو حضرت شیخ الہند کے انقلابی مشن کا مرکز اور سو سوا سو سال قبل سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کی تگ و تاز کا میدان رہ چکا تھا۔ پھر والد گرامی کی تربیت، گھریلو ماحول کی پاکیزگی اور حضرت حاجی صاحب ترنگ زئی جیسے مجاہدین سے مراسم نے بچپن سے جذبہ جہاد، قومی و ملی خدمات، سرفروشی و جان نثاری اور ملکی سیاست کی سوجھ بوجھ اور فکر و تدبر کے ملکہ کو جلا بخشی، دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ بالخصوص شیخ مدنی (جو تحریک ولی اللہ اور مسلک شیخ الہند کے رازدان اور ترجمان تھے اور شیخ الحدیث مدظلہ کو ان سے اکتساب فیض کا خصوصی شرف ہوا) سے تلمذ نے تو اس شعلہ کو اور بھڑکایا، لہٰذا قیام پاکستان سے قبل تحریک آزادی ہند میں آپ اپنے اکابر و اساتذہ کے دوش بدوش جنگ آزادی ہند میں سپاہیانہ کردار ادا کرتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد ملک کی تعلیمی دینی اور آئینی خدمات میں پیش پیش رہے۔ پاکستان کے سابق وزیراعظم خواجہ ناظم الدین نے اسلامی قانون کے سلسلہ میں ۲۲، ۲۳ نومبر ۱۹۵۲ کو ملک بھر سے جن آٹھ علماء کو مدعو کیا تھا اور ان کے مشوروں سے استفادہ کرنا تھا۔ ان میں آپ بھی شامل تھے۔ اجلاس میں وزیراعظم کے علاوہ سردار عبدالرب نشتر اور دیگر کئی بڑے سرکاری عہدیدار شریک رہے۔ آپ کی علمی اور سیاسی تربیت اگرچہ حضرت شیخ الہند کے مدنی حلقے میں ہوئی ہے۔ مگر علماء کا کوئی حلقہ بھی ایسا نہیں جسے آپ پر اعتماد نہ ہو۔ ۱۹۶۹ء میں جب علماء کے درمیان سوشلزم وغیرہ کے مسائل پر شدید اختلافات پیدا ہوئے تو فریقین کی مصالحت کیلئے جن دو چار اکابر پر نظر پڑی۔ ان میں آپ بھی شامل تھے۔ آپ نے اس سلسلہ میں ہر ممکن کوشش کی اور کراچی وغیرہ کے اسفار کیے جس سے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا۔ ۱۹۷۰ء میں جب کہ نظریاتی انتشار بالخصوص بھٹوازم اور علاقائی و گروہی سیاست نے ملک کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی تھیں اور ایک اضطراب انگیز ماحول میں یحییٰ نے آئین کی تشکیل کے لئے آزادانہ الیکشن کا اعلان کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں قانون ساز ادارہ بنتا تھا۔ جس میں اسلام کی بالادستی، عملی نفاذ اور اسلامی معاشرہ کا قیام اور اس سلسلہ میں سیاسی تگ و دو اور جد و جہد علماء اسلام کا بنیادی فرض تھا۔ حضرت شیخ مدظلہ بھی چوں کہ جہاد و عزیمت کے علمبردار مکتب فکر، علماء حق سے وابستہ اور ان ہی کے خطوط پر دینی، علمی، تدریسی، اصلاحی اور سیاسی کاموں میں منہمک تھے مگر اپنی افتاد طبع کی بناء پر انتخابی سیاست کے ہنگاموں

سے کوسوں دور تھے۔ دوسری طرف گوناگوں اور متنوع دینی خدمات، بے پناہ مصروفیات اور مختلف عوارض و علالت، ضعف و امراض میں گھرے ہوئے تھے۔ الیکشن کا غلغلہ بلند ہوا تو آپ پشاور ہسپتال میں صاحب فراش تھے۔ جمعیۃ علماء اسلام کے اکابر اور ہائی کمان نے بہر حالت میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کو انتخابات میں حصہ لینے پر مجبور کر لینے کا فیصلہ کر لیا۔

ایک اجلاس میں فرمایا۔

مجھے تین چار ماہ سے قلق اور اضطراب رہا۔ یہ میری طبعی کمزوری ہے۔ حیا کی وجہ سے، لیکن بالآخر شرح صدر ہوا کہ اگر اس راہ میں موت بھی آئی تو مصر کی بڑھیا کی طرح خود کو خریداران یوسف میں پیش کر سکوں کہ چلئے اس بڑھاپے میں کچھ خریداروں میں نام تو آجائے۔ شاید اسلام کی راہ میں گالی گلوچ، تحقیر و توہین میرے لئے نجات کا باعث ہو۔

مقابلہ میں نیشنل عوامی پارٹی کے جنرل سیکرٹری اور پیپلز پارٹی پیپلز پارٹی کے نصر اللہ خٹک تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ دونوں کے مقابلہ میں بھاری اکثریت سے منتخب ہوئے۔ کامیابی کے بعد قومی اسمبلی کے ایوان میں آپ نے اسلام و اہل اسلام کی زبردست وکالت کی، ملکی و ملی مسائل پر اسلامی نقطۂ نگاہ سے بحث کی اور قومی اسمبلی کے ہر اجلاس میں ہر موضوع پر اسلام کی آواز بلند کی۔ ملک کے تعلیمی، سیاسی، سماجی، اخلاقی، معاشرتی اور معاشی ہر پہلو سے متعلق قراردیں، سوالات اور تحاریک التوا پیش کئے۔ کاربردازان حکومت کے ہر غلط اقدام پر تنقید کی اور ارباب اقتدار کو جھنجھوڑا۔

۱۹۷۳ء کے آئین میں آپ نے تقریباً دو سو سے زائد ترمیمات پیش کیں۔ ایوان حکومت میں آپ کے مخلصانہ سرگرمیوں اور مساعی جمیلہ کے کچھ اجمالی تفصیلات مولانا سمیع الحق صاحب کی مرتب کردہ کتاب "قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ" (جو اسمبلی کے رپورٹوں کی مدد سے ترتیب دی گئی ہے) میں چھپ چکے ہیں۔ یہ کتاب چار سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۹۷۷ء میں پاکستان قومی اتحاد کی مرکزی قیادت کے فیصلے اور کاغذات نامزدگی داخل کرنے سے ایک رات قبل جمعیت کے بعض اکابرین کے شدید اصرار پر آپ دوبارہ قومی اسمبلی کے امیدوار کی حیثیت سے الیکشن کے لئے کھڑے ہوئے۔ مقابلہ میں حکمران پیپلز پارٹی کے صوبائی صدر اور صوبہ کے وزیر اعلیٰ جناب نصر اللہ خٹک تھے مگر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی محبوبیت و مقبولیت، عظیم قومی، ملکی ملی، سماجی اور تعلیمی خدمات کے پیش نظر قوم نے آپ کے مقابلہ میں وزیر اعلیٰ کو ٹھکرا دیا اور آپ نے بھاری اکثریت سے وزیر اعلیٰ کو شکست دی۔

بلکہ انعقاد الیکشن سے قبل خود وزیر اعلیٰ کو اپنی شکست واضح نظر آرہی تھی اور وزیر اعلیٰ خود الیکشن کے دوران اپنی ذہنی بے احتیاطی، کم علمی یا جذبات میں مغلوب ہو کر بے شمار لوگوں کے سامنے یہ کہتے پھرتے کہ میں کیسے مقابلہ کروں اور کیسے جیتوں۔ میرے مقابلے میں تو پیغمبر کھڑا ہو گیا ہے۔ (نعوذ باللہ) یہاں تک کہ اپنے پارٹی کے جابر لیڈر جناب بھٹو کو بھی جناب خٹک صاحب نے یہی کہا کہ مجھے کیوں ڈانٹتے ہو۔ یہ مقابلہ آپ سے بھی نہیں ہو سکے گا کہ میرے مقابلہ میں تو پیغمبر کھڑا ہے (نعوذ باللہ)

۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ: ۱۹۷۷ء میں تحریک نظام مصطفیٰ میں باوجود ضعف، نقاہت اور کمزوری و امراض کے پیش پیش رہے۔ اس تحریک میں آپ کا سب سے بڑا حصہ یہ ہے کہ استبدادی حکومت کے ایک اہم ستون کو جو ایک بڑے صوبہ کے مطلق العنان وزیر اعلیٰ تھے۔ جب کہ باقی سب صوبوں کے وزیر اعلیٰ بلا مقابلہ جبری منتخب قرار دیئے گئے تھے تو آپ نے الیکشن میں شکست فاش دی اور اس طرح صوبہ سرحد میں پیپلز پارٹی کو سنبھلنے کا موقعہ نہ مل سکا۔

۱۱ مارچ ۱۹۷۷ء کی رات کو جب پولیس نے آپ کے صاحبزادے مولانا سمیع الحق کی گرفتاری کے لئے چھاپہ مارا جو الیکشن کے ان معرکوں میں مرکزی کردار کر رہے تھے تو اس وقت اتفاق سے مولانا سمیع الحق گھر پر نہیں تھے۔ حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا "میں حاضر ہوں گرفتاری کے لئے۔ پولیس نے معذرت کے ساتھ کہا کہ آپ کو تو نہیں مگر ہم نے ان کے تبادلے کسی دوسرے شخص کو گرفتار کرنا ہے۔ مولانا سمیع الحق تحریک چلانے میں مدد دینے کے سلسلہ میں دو چار دن تک باہر رہے اور پھر چند دن بعد گرفتار کر لئے گئے اور اختتام تحریک تک ہری پور جیل میں بند رہے۔ اسی تحریک نظام مصطفیٰ کے دوران جب کوہستان اور شاہراہ ریشم کے مومن اور غیور باشندوں نے شاہراہ قراقرم کے راستہ کو کئی مقامات سے کاٹ دیا اور چینی فوج بھی درمیان میں گھر گئی۔ تو حکومت کی ساکھ کو سخت خطرہ لاحق ہو گیا۔ ۲۵ اپریل ۱۹۷۷ء کو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سی ایم ایچ راولپنڈی میں آنکھوں کے آپریشن کے سلسلہ میں داخل ہو چکے تھے۔

مولانا سمیع الحق صاحب جیل میں تھے۔ والد گرامی کی علالت اور پھر راستہ میں ایکسیڈنٹ کی خبر جب ان کو ملی ہری پور جیل میں پہنچی تو بے حد پریشان ہوئے۔ دوسری طرف حکومت کو سی آئی ڈی کی رپورٹ تھی کہ شاہراہ قراقرم کو حضرت مولانا عبدالحق صاحب کے کسی فتوی یا مشورہ پر عمل کر کے بند کیا گیا ہے اور ان کے تلامذہ کا اس میں بنیادی حصہ ہے اور جب تک وہ لوگوں کو اجازت نہیں دیں گے، راستہ نہیں کھل سکے گا۔

تو اعلیٰ حکام کے علاوہ صوبہ سرحد کے اس وقت کے گورنر جناب میجر جنرل نصیر اللہ صاحب بابر اس سلسلہ میں ہسپتال میں حضرت شیخ مدظلہ، سے ملاقات کر چکے تھے کہ آپ کو اس بات پر آمادہ کریں کہ کوہستانی عوام کے نام آپ شاہراہ قراقرم آزاد کرنے کا پیغام بھیجیں مگر ناکام رہے۔

مولانا سمیع الحق صاحب اور حاجی فقیر محمد خاں ہزاروی کو پولیس کی نگرانی میں حضرت شیخ الحدیث سے ہسپتال میں اور اس وقت کے وزیر دفاع وسلامتی امور جنرل ٹکا خاں سے ملایا گیا۔ تو وزیر دفاع جنرل ٹکا خاں نے مولینا سمیع الحق سے کہا" ہمیں بتایا گیا ہے کہ مولانا عبدالحق صاحب نے کوئی ایسا فتویٰ ...... دیا ہے اور اس علاقہ میں موجود مولانا کے شاگردوں نے اس فتویٰ پر عمل درآمد کر دیا ہے۔ دراصل وزیر اعظم بھٹو، جنرل ٹکا خاں کی وساطت سے یہ چاہتے تھے کہ حاجی فقیر محمد خاں اور سمیع الحق اس معاملہ میں ہمارے ساتھ تعاون کریں۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کو آمادہ کریں یا خود کوئی اقدام کریں۔ مگر ان حضرات کی ثابت قدمی اور استقامت کے پیش نظر حکومت اپنے اس حربہ میں بری طرح کام رہی۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ بھی برابر یہی کہتے رہے کہ اب معاملہ میرے ہاتھ میں نہیں۔ قومی اتحاد کے نظر بند راہ نماؤں بالخصوص اس کے صدر مولانا مفتی محمود صاحب (جو سہالہ جیل میں نظر بند تھے) اور ان کے رفقاء سے رابطہ قائم کریں۔ حاجی فقیر محمد صاحب ہزاروی اور مولانا سمیع الحق سے کو ایک دو دن اسی کشمکش میں راولپنڈی میں زیر حراست رکھا گیا مگر بالآخر مایوس ہو کر اس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی ہدایات پر ان دونوں کو واپس ہری پور جیل منتقل کر دیا گیا۔

جہادِ افغانستان:۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، علوم و فنون اور افکار و خیالات میں اکابر علماء دیوبند کے لقیتہ السلف تھے۔ اپنے شیخ حضرت مدنی کے صحیح جانشین تھے اور اکابر دیوبند کے دین کے مشن کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو چن لیا تھا۔

آپ نے تعلیم و تدریس وعظ و تبلیغ اور دارالعلوم حقانیہ کے انتظام و انصرام کے ساتھ ساتھ ملت کی بقاء و استحکام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے مختلف محاذوں پر باطل قوتوں کی سرکوبی کے لئے نہ صرف یہ کہ جہاد کا فتویٰ دے کر اس کو ضروری قرار دیا بلکہ عملاً بھی بھرپور حصہ لیا اور ہر میدان میں پیش پیش رہے۔ اختصار کے پیش نظر تفصیلات کا استقصار تو نہیں کیا جا سکتا۔ سردست صرف جہاد افغانستان سے متعلق آپ کی مساعی کی ایک جھلک نذر قارئین ہے۔

افغانستان میں روسی سامراج سے آج جو افغان برسرپیکار ہیں ان کے بیشتر زعماء اور قائدین حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، کے تلامذہ خاص اور متوسلین اور فضلاء حقانیہ اکابرین جہاد اور ان کے وفود حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی اکثریت متشرع سنت کے مطابق داڑھیاں، پر ہیبت دستار، مجاہدانہ عظمت اور وقار کبھی ظاہراً اور کبھی خفیہ آتشین اسلحہ سے لیس، ارد گرد رائفل بردار محافظین کا جھرمٹ گویا شہدائے بالا کوٹ کی روحیں پھر سے مجسم ہو کر میدان کارزار میں وارد ہوئی ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سید احمد شہید کے قافلہ کے سپاہی ہیں۔ جو جنگ کے محاذوں پر دشمن سے لڑ لڑ کر اب حد درجہ بے تابانہ اشتیاق سے زیادہ ملاقات اور آگاہی حالات کی غرض سے اپنے امیر سے ملنے آئے ہیں۔

۱۲ جنوری ۱۹۸۳ء کو افغان مجاہدین کی مرکزی قیادت کا ایک بڑا وفد حاضر ہوا تو قائد وفد نے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، کی خدمت میں عرض کی۔

"ہمارا یقین ہے کہ آپ کا وجود اقدس خداوند تعالیٰ کے نزدیک برکت کی اساس ہے۔ افغانستان کے تمام علماء اور علوم دینیہ کے طلباء (جن کی تعداد لاکھوں کے قریب کے قریب ہے) آپ سب کی عقیدت اور خلوص کا مرکز ہیں۔

آپ ہی کے وجود مسعود سے اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم حقانیہ کو وجود بخشا۔ افغانستان میں علماء کی اکثریت دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء کی ہے۔ افغانستان کے سب علماء کا عقیدہ و نظریہ وہی ہے جو دارالعلوم حقانیہ کے اکابر و مشائخ ہے۔ یہ سب مجاہدین اور ادران کے قائدین آپ کے ہاتھوں کے لگائے ہوئے درخت ہیں۔ اس جہاد کی بنیاد بھی حقیقت میں اپ نے اور آپ کے مخلص تلامذہ نے رکھی ہے [1]

مجاہدین سے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا۔

ہم علماء دیوبند کی غلامی اور کفش برداری پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ انہوں نے جو حریت و آزادی اور جہاد کا سبق پڑھایا ہے۔ اس پر جان دینا عین ایمان سمجھتے ہیں اور یہی بات طلبا سے بھی کہتا رہتا ہوں۔ اس وقت بھی ہمارے دارالعلوم حقانیہ میں افغانستان کے نصف سے زائد طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ جب سے جہاد شروع ہوا ہے۔ تب سے دارالعلوم حقانیہ نے بھی افغان طلبہ اور ان کے علاوہ جہاد میں شرکت کرنے والے تمام طلبہ سے داخلے، حاضری اور آنے جانے پر ہر قسم کی پابندیاں ختم کر دی ہیں۔ طلبہ کی جماعتیں جاتی ہیں جو ماہ دو ماہ اور اس سے بھی زائد جہاد میں شریک ہو ہو کر جب واپس آتی ہیں تو دوسری جماعتیں روانہ ہو جاتی ہیں [2]۔

---

[1] ماہنامہ الحق فروری ۱۹۸۳ [2] ماہنامہ الحق فروری ۱۹۸۳ء۔

ایک اور موقعہ پر فرمایا۔

الحمدللہ، الحمدللہ! جس غرض کے لیے دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے جہادِ افغانستان کی صورت میں اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لیا۔[۱]

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ ۱۹۸۵ء میں تیسری بار قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ان کے صاحبزادے مولانا سمیع الحق سینٹ کے ممبر منتخب ہوئے۔ سینٹ میں انہوں نے اپنے والد کے مشورہ سے شریعت بل پیش کیا تو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی دعوت پر اس کی منظوری کے لئے متحدہ شریعت محاذ عمل میں آیا۔ ۲۲ دینی اور سیاسی جماعتوں نے مولانا مرحوم پر اعتماد کا اظہار کیا اور متحدہ شریعت محاذ کا انہیں متفقہ طور پر صدر منتخب کیا۔ ان کی قیادت میں ملک بھر میں نفاذ شریعت کی تحریک چلی۔

اپریل ۱۹۸۶ء میں ہزارہ ڈویژن، بنوں ڈویژن، پشاور اور مردان ہزاروں علماء و مشائخ کا بھرپور اجتماع ہوئے۔ علماء نے آپ کو متفقہ طور پر "قائد شریعت" کا خطاب دیا۔ اور ملک میں نفاذ شریعت کے لئے آپ کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی۔ مولانا مرحوم کی قیادت میں چلنے والی تحریک نفاذِ شریعت کی وجہ سے کراچی سے لے کر گلگت تک شریعت کا غلغلہ بلند ہوا۔ لادینیت، دہریت، سوشلزم، اباحیت اور تجدد پسندی کے لئے مولانا مرحوم کی مساعی اور شریعت محاذ کی تحریک سد سکندری بن گئی۔ نفاذ شریعت کی بھرپور تحریک سے ایوان اقتدار میں ہلچل مچی اور حکومت کی منافقت عیاں ہوئی۔ مرحوم کا سب سے بڑا کارنامہ جہادِ افغانستان کی بھرپور معاونت اور سرپرستی ہے۔ صدر ضیاء الحق مرحوم کے بظاہر مادی اور سیاسی سرپرست تھے۔ لیکن قائدِ شریعت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نے جہاد افغانستان کے لئے رجال کار مہیا کئے ہیں۔ جہاد افغانستان میں مصروف کار محاذ جنگ کی مرکزی قیادت کے ۸۰ فیصد افراد قائد شریعت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کے شاگرد ہیں۔ ۷ ستمبر بروز بدھ ۱۰ منٹ کم دو بجے مولانا مرحوم کا خیبر ہسپتال میں انتقال ہوا۔ وفات سے قبل مرحوم نے دعا ارشاد فرمائی۔ اس کے بعض کلمات یہ تھے۔ "بار الٰہا افغان مجاہدین کو فتح اور غلبہ عطا فرما، بار الٰہ، افغان مجاہدین کے ہاتھوں کے تنکوں کو تلواروں سے بدل دے، بار الٰہ مجاہدین کے پاؤں کی خاک کو دشمن کے لئے ایٹم بم بنا دے۔ مولانا عبدالحق مرحوم کے تلامذہ اور مشہور شاگردوں میں مولانا اسعد مدنی، مولانا مرغوب الرحمان مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا مفتی ولی حسن، مولانا سلیم اللہ خاں، مولانا عبیداللہ انورؒ، مولانا حامد میاں، مولانا سمیع الحق، مولانا عبدالستار تونسوی، مولانا صدر الشہید، مولانا قاضی عبداللطیف، مولانا خان محمد کندیاں، مولانا افضل الرحمٰن مولوی یونس خالص، مولانا جلال الدین حقانی، مولانا فتح اللہ شہید خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

یاد رکھیں! ایمان کی نشانی محبت ہے اور محبت کے تفاوت سے ایمان متفاوت ہوتا ہے اگر خدا سے محبت ہے تو سمجھیے کہ ایمان ہے اگر محبت ہے تو ایمان مضبوط ہے اگر کم ہے تو ایمان کمزور ہے اگر بالکل نہیں تو بالکل ایمان نہیں ہے مگر سوال یہ ہے کہ محبت کیسے پیدا ہو؟ یہ تو زور اور جبر سے پیدا نہیں ہو سکتی تو اتنا یاد رکھیے کہ محبت کے تین مشہور اسباب ہیں، احسان، کمال اور حسن و جمال۔

ارشاد: شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ

(از دعوات حق، جلد اول صفحہ ۳۲)

۱؎ ماہنامہ الحق مئی ۱۹۸۳ء